اسلامی معاشرہ پر مغربیت کے اثرات

ایک جائزہ:

عماد العلماء علامہ ڈاکٹر سید علی محمد نقوی مدظلہ

سماجیاتی نقطۂ نظر سے مغرب کی طرف رجحان کا شمار ایک قسم کی تہذیبی تبدیلی میں ہوتا ہے۔ دوسری تہذیب سے ٹکراؤ کے نتیجے میں ایک تہذیب کی راہ و رسم، اقدار و روایات، خیالات اور رجحانات اور اس کے طور طریقے میں تبدیلی آتی ہے۔ اسے تہذیبی انقلاب یا تبدیلی کا عمل کہا جاتا ہے۔ کچھ ماہرین سماجیات نے اس عمل کا نام سماجی تبدیلی (Social Change) رکھا ہے لیکن اصطلاحی اعتبار سے تہذیبی تبدیلی (Cultural Change) اور زیادہ جامع معلوم ہوتا ہے۔

سماجی تبدیلی اور تہذیبی تبدیلی کی اصطلاحیں جو اس وقت معاصر ماہرین سماجیات کے درمیان رائج اور مقبول ہوگئی ہیں نسبتاً نئی اصطلاح ہیں۔ اس سے پہلے سماجی ارتقا اور سماجی پیشرفت کی اصطلاحیں رائج تھیں۔ مارکس اور اسپنسر نظریہ سماجی ارتقاء کے اہم علمبرداروں میں ہیں، ان کا خیال ہے کہ ہر تبدیلی ناقابل اجتناب شکل میں تکامل اور ارتقا ہے۔ سماجی ارتقا کا نظریہ انیسویں صدی میں رائج ہوا لیکن یہ کوئی نیا نظریہ نہیں تھا یہاں تک کہ Epicurus Lucrtius جیسے فلسفیوں کے افکار و خیالات میں بھی اس کا کچھ سراغ مل سکتا ہے۔

تجدد اور مغرب پرستی کے اسباب اور ذرائع

اسلامی ملکوں میں مغرب کے اثر و رسوخ کے موانع اور اسباب کو مجموعی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔انسانی سرچشمہ ۲۔مکانیکی اور غیر انسانی سرچشمہ

سب سے اہم انسانی وسائل اور ذرائع جن کے توسل سے یوروپ نے اسلامی دنیا میں رخنہ اندازی کی اور مغربی تہذیب مشرق کی طرف منتقل ہوگئی، درج ذیل ہیں:

۱۔مغربی سامراج

۲۔وابستہ دیسی حکومتیں

۳۔ٹکنوکریٹ

۴۔بیرونی مشیر

۵۔شرفاء اور امراء کا طبقہ

۶۔فری میشن تحریک

۷۔مستشرقین

۸۔عیسائی مشنری

۹۔وہ یوروپین افراد جنہوں نے عارضی یا مستقل طریقے پر اسلامی ملکوں میں سکونت اختیار کرلی تھی۔

مکانیکی اور غیر انسانی سرچشمے درج ذیل ہیں:

۱۔ریڈیو اور ٹیلی ویژن

۲۔سنیما اور تھیٹر

۴۔صنعتی پیداوار اور صنعتی محصولات اور دوسرے سامان

جو یوروپین ملکوں کے بنے ہوئے تھے۔

مغربی کارخانوں کی پیداوار اور محصولات نے جیسا کہ ہم واضح کریں گے اسلامی علاقے کی ساری منڈیوں پر قبضہ کرلیا۔ اس نے عیش پرستی اور منصب طلبی کی روح کو بے انتہا بڑھاوا دیا۔ نئی محصولات اور پیداوار کا استعمال دھیرے دھیرے روایتی طرز زندگی میں انقلاب پیدا کرتا ہے اور انسانوں کو نئے سانچے میں ڈھال دیتا ہے۔ یہ عوام کے درمیان بدیسی تہذیب کی اشاعت ہے لیکن تمام اسلامی ملکوں میں عوام کی بڑی تعداد دیہاتوں یا شہر کے غریب لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے۔

مغربی سامراج: تجدد کا بڑا عامل

اسلامی ملکوں میں مغرب کی طرف رجحان کی اشاعت کا بڑا سبب استعمار یعنی سامراجی طاقت و نظام حکومت ہے۔

مشرقی زبانوں میں لفظ استعمار امپیریلزم اور کلونیلزم کی جگہ استعمال ہوتا ہے۔ امپیریلزم لفظ امپائر سے ماخوذ ہے۔ امپائر کہتے ہیں اس سیاسی تنظیم کو جس میں اقوام اور ممالک ایک جگہ مدغم ہوجاتے ہیں، امپیریلزم اس نوعیت کے نظام کی تشکیل کی طرف میلان کا نام ہے۔ کلونیلزم کا مطلب بدیسی علاقوں پر قبضہ یا بالواسطہ طور پر کسی علاقہ پر اپنی بالادستی قائم کرنا، اردو زبان میں اسے نوآبادیاتی نظام کہا جاتا ہے۔

انیسویں صدی کے دوران سامراجی طاقت نے اسلامی دنیا میں تیزی سے پھیلنا شروع کیا اور ۱۸۵۷ء تک انگریزی سامراج پورے ہندوستان پر مسلط ہوگیا۔ ۱۸۷۹ء میں انگلینڈ اور فرانس نے سرکاری طور پر مصر پر اپنی مراقبت اور نظارت قائم کی۔ ۱۸۸۱ء میں اعرابی پاشا کی بغاوت کے بعد انگلینڈ نے پورے مصر کو اپنے قبضے میں داخل کرلیا۔ عراق، شام، لبنان اور فلسطین پر بھی یوروپین اقوام ہی کا کنٹرول تھا افغانستان، ترکی، ایران اور سعودی عرب جیسے ممالک اگر چہ یوروپ کے نوآبادیاتی علاقوں میں داخل نہیں تھے لیکن بالواسطہ یوروپین سامراج وہاں مسلط رہا۔ ان قوموں کی تقدیر کا فیصلہ انگلینڈ فرانس اور روس کے سفارتخانوں میں ہوتا تھا۔ ان ملکوں کے محروم عوام کے پیروں میں سیاسی اور اقتصادی اسارت کی بیڑیاں پڑی تھیں۔

اسلامی ملکوں میں سامراج کو دو بڑی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا:

الف: دینی جذبہ یا اسلامی احساسات

ب: ملی جذبہ اور نیشنلزم، ان دو اسباب کی وجہ سے بدیسی اثر و رسوخ اور مغربی سامراج کی حاکمیت کی اشاعت کو مزاحمت اور مقابلہ سے دوچار ہونا پڑا۔ سامراجی طاقتوں نے بخوبی سمجھ لیا کہ صرف اسی صورت میں وہ یہاں تک سکتے ہیں اور عوام کی تہذیب و ثقافت پر اثر انداز ہوسکتے ہیں جب کہ مذہب پر ان کے ایمان و یقین کی بنیاد کمزور کردی جائے اور قومی تہذیب و ثقافت کی جڑیں اکھاڑ دی جائیں، عوام کو روایتی تہذیب و تمدن اور تاریخ سے بیگانہ کردیا جائے، مغربی تہذیب کی ترویج و اشاعت کی جائے اور عوام کو یوروپ اور اس کے طرز زندگی اور نظام فکر کا دیوانہ اور فریفتہ کردیا جائے۔ اسی وجہ سے سامراجی طاقت نے اسلامی ملکوں میں مغربی ڈھانچے اور مغرب پرستی کو ٹھونسنے اور لادنے کا عالمی منصوبہ بنایا۔ سامراجی طاقتوں نے واضح طور پر اسلام کی ضدیت اور مخالفت کا احساس کرلیا اور یہ سمجھ لیا کہ اسلام جب تک ایک زندہ طاقت کی شکل میں معاشرہ میں موجود ہے، سامراج کو ہمیشہ اپنی نابودی کا خطرہ رہے گا اور اسے عوام کی بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ سامراجی طاقتوں نے اپنی آنکھوں سے

دیکھا تھا کہ ان بغاوتوں کا سر کچلنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے اور دوسری طرف عوام کو بھی اس حقیقت کا بخوبی اندازہ ہو گیا تھا تمام مسائل میں یوروپین آقاؤں کے اشاروں پر چلنے کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ نہیں رہ گیا۔

۲۔ دوسری طرف مذہبی پختگی نہ ہونے کے سبب لوگ احساس کمتری کا شکار تھے۔ مصر اور ترکی کے فرمانرواؤں کو چونکہ فرانس اور دوسری مغربی طاقتوں کے سامنے شکست کا منہ دیکھنا پڑا تھا اس لیے ان کا خیال تھا کہ یوروپ کی کامیابی کا راز ان کا تہذیب وتمدن، نشست و برخاست اور رقص وسرود میں پوشیدہ ہے۔ اس قسم کی احساس کمتری تاریخ میں بہت سی شکست خوردہ قوموں و افراد کے اندر نظر آتی ہے۔

۳۔ ان میں بیشتر ظالم حکومتوں کو اپنی فوج کے بارے میں وسوسہ رہتا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ ان کی حکومت کی طاقت اور پائیداری فوج اور جنگی ساز وسامان کی رہین منت ہے۔ ان جنگی ساز وسامان کے حصول کے لئے انہوں نے مغرب اور مغربی طاقتوں سے زیادہ سے زیادہ وابستگی اور رابطہ استوار کیا۔

۴۔ عوام کا سب سے روایتی محور اسلام تھا جس کے سہارے وہ فرمانرواؤں کی خودغرضی اور ظلم و جبر کے سامنے سینہ سپر ہوتے تھے۔ جہاد، شہادت اور عدل وانصاف کا جذبہ عوام کو حکمراں طبقہ کے ظلم و جبر اور بے انصافی کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرتا تھا۔ اس لئے دوران تاریخ ظالم حکومتوں نے ہمیشہ اس بات کی کوشش کی ہے کہ یا تو مذہب کی غلط تعبیر کریں اور اسے ایک جامد اور راکد اور بے حس وحرکت ڈھانچے کی حیثیت سے پیش کریں جیسا کہ ایران میں عہد قاچار میں ہوا یا مذہبی عقائد اور نظریات کو معاشرہ میں متزلزل کر کے دھیرے دھیرے اس کی جڑیں اکھاڑ دیں (جس کی ایرانی پہلوی حکومت نے کوشش کی) خودغرض حکومتوں کی یہ خواہش رہی کہ عوام کو یا تو جہالت و لاعلمی اور نادانی و بےشعوری کے گڑھے میں پڑے رہنے دیں جہاں وہ مطیع اور پرسکون بن کر رہیں یا بدیسی ڈھانچے کو ان پر زبردستی تھوپ دیں۔ ان کی شخصیت ختم ہو جائے اور سب تہی مغز مغرب زدہ صارفین کی شکل میں آجائیں تاکہ ان حکمرانوں کے کام سے ان کا کوئی واسطہ نہ رہ جائے۔ مغربی ڈھانچہ کو عوام پر لادنے کی سرگرم کوششوں کے علاوہ فرمانرواؤں نے منفی طور پر بھی مغرب پرستی کی اشاعت کے لئے زمین ہموار کی کیوں کہ ظلم و جبر اور خودغرضی وخودکامی عوام کی تولیدی اور تخلیقی صلاحیتوں کو ختم کر دیتی ہے۔ ان کے جوہر کو زنگ آلود اور معاشرہ کو کمزور کر دیتی ہے اور وہ مغربی نظام کا لقمۂ تر بن جاتا ہے۔

۳۔ بیوروکریٹ طبقہ

بیوروکریٹ طبقہ مغرب پرستی کی دین بھی ہے اور اس کی اشاعت کا سرچشمہ بھی ہے۔ یہ لوگ چونکہ یوروپ کے تعلیم یافتہ تھے اس لئے اندازہ یہ تھا کہ جتنی تیز رفتاری سے مغرب پرستی کی اشاعت ہوتی ہے اتنی ہی تیزی سے ان کی سماجی پوزیشن مضبوط ہوگی۔ اسی وجہ سے اس طبقہ نے اس مقصد کی تکمیل میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

۴۔ بیرونی مشیر

انیسویں صدی کی مسلم حکومتیں یوروپین اور امریکی مشیر بلانے لگی تھیں۔ بیرونی مشیر حکومتوں کی فوجی، سماجی، اقتصادی اور داخلی سیاست کو مغرب کی سمت موڑ کر درحقیقت مغرب پرستی کی اشاعت اور مشرق کو مغرب سے وابستہ کرنے کا اہم ذریعہ ثابت ہوئے۔

۵۔ مغرب سے وابستہ روشن خیال طبقہ

روشن خیال ایسی اصطلاح ہے جس کا رواج اٹھارویں صدی کے یوروپ میں سماجی علوم اور فلسفہ کے ماہر ایک گروہ کے لئے ہوا۔ اس گروہ کی سب سے اہم خصوصیت سائنس، تجربہ، عقل تشکیک پر یقین، دینی نظریہ اور روایتی باتوں میں شک اور تجدد پسندی و نوفکری تھی۔ سائنس پر انتہا پسندانہ یقین اور سائنس کی پرستش اس کی دوسری نمایاں خصوصیت تھی۔ اس رجحان کا بیج نشاۃ ثانیہ کے زمانے میں بویا گیا جبکہ مفکروں اور دانشوروں نے کلیسا کے ظالمانہ رویہ اور انداز فکر کے خلاف علم بغاوت بلند کر رکھا تھا۔ اس کے بعد علمی ترقی اور فکری تبدیلیاں جیسے نیوٹن کی ایجادات، ڈکارٹ کے نزدیک عقل کی اہمیت اور اسپنوزا کا وحدت کا نظریہ جس کو بیکن اور لاک وغیرہ نے استحکام بخشا اٹھارویں صدی عیسوی کی تحریک روشن خیالی کی روح دیدرو کو دائرۃ المعارفی گروہ مونتسکو، الٹر، بوفون تورگو اور تمام فیزیوکریٹ کانت اور بکاریا تھے۔

انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں مشرق کے حاکموں اور افسروں کے بچوں کو حصول علم کے لئے یوروپ روانہ کیا۔ اس بیچ کچھ اشخاص نے مغربی افکار و خیالات کی قدر آشنائی حاصل کی۔ یہ لوگ اٹھارویں صدی کے انداز فکر و نظر کو نگاہ میں رکھتے ہوئے یوروپ پر فریفتہ ہو گئے، یوروپ کے مخصوص حالات نیز قرون وسطیٰ کی تاریک ظالمانہ سیاست کی وجہ سے مشرقی ممالک اور یوروپ کے درمیان تہذیبی اور معاشرتی زندگی میں زبردست فرق پیدا ہو گیا۔ ان تمام باتوں سے قطع نظر یہ افراد یہ فکر کرنے لگے کہ کسی طرح اٹھارویں صدی کے یورپ کے افکار و خیالات، تصورات و نظریات اور راہ حل کو اسلامی دنیا بھی سرکاری طور پر تسلیم کر لیں۔ یہ لوگ خود کو منور الفکر یا روشن خیال کہتے تھے کیونکہ ان کے ہاتھ میں مغرب پرستی کا علم تھا البتہ جیسا کہ بعد میں اس راز سے پردہ اٹھا ان میں سے زیادہ تر لوگ سامراجی طاقتوں کے مزدور، کارندے، زرخرید غلام اور دوسری سامراجی تنظیموں کے ممبر تھے اور سامراج کی علمی خدمت میں لگے ہوئے تھے۔ یہ لوگ تیسری دنیا کے ملکوں میں مغرب پرستی کا سب سے اہم اور عظیم انسانی سرچشمہ رہے ہیں۔

یوروپ کی بے چوں و چرا تقلید ان کی نمایاں ترین خصوصیات رہی ہیں۔ انہوں نے روحانیت اور مادیت دونوں ہی میدان میں مغربی ترقیوں کی تعریف کی۔ ان کے نزدیک مشرق کے تمام مسائل کا واحد حل تمام میدانوں میں یوروپین راہ و رسم کی کورانہ تقلید ہے۔ انہوں نے اس بات کی غیر معمولی کوشش کی کہ ان ملکوں کا تہذیبی، سماجی اور سیاسی نظام مغربی ڈھانچے کو اختیار کر لے یہ لوگ مذہب اور قومی روایات کے کٹر مخالف تھے۔

۶۔ مذہبی اقلیتیں بھی مغربی نظام پھیلانے کا ذریعہ رہی ہیں

مصر میں کئی لاکھ قبطی عیسائی اور دوسرے عیسائی فرقے موجود ہیں۔ یہودی اور ارمنی اقلیتیں بھی بااثر ہیں۔ شام، لبنان، اردن اور فلسطین میں بھی تقریباً ایک تہائی آبادی عیسائیوں کی رہی ہے۔ ایران میں ارمنی اور یہودیوں کی اقلیت موجود تھی۔ ایران میں مذکورہ بالا طبقے کے علاوہ زرتشتی مذہب کے پیرو اور بہائی فرقہ بھی در پردہ یا اعلانیہ طور پر موجود رہا ہے۔ ملیشیا کی چالیس فیصد سے زیادہ آبادی عیسائی، ہندو اور بودھ ہے۔ تمام اسلامی ملکوں میں حالات تقریباً ایسے ہی رہتے ہیں۔

بعض اقلیتیں خاص طور سے عیسائی اور یہودی تو تہذیبی اور

مذہبی لحاظ سے یوروپین اقوام کے ساتھ تعلق اور لگاؤ کا بہت احساس رکھتے تھے ۔ ان کے اقتصادی مفادات کا بھی یہی تقاضہ تھا کہ وہ یوروپین سامراج اور سرمایہ داری کے کارندوں کی شکل اختیار کرلیں مادی یوروپین اقوام کی آمد کو اپنے حق میں مفید سمجھتے تھے۔ وہ یہ تصور کرتے تھے کہ اس طرح سے مسلم اکثریت کے دباؤ کے مقابلے میں ان کو پناہ گاہ مل جائے گی۔ اس وجہ سے ان اقلیتوں نے اسلامی دنیا میں یوروپ کے پانچویں کالم کا روپ اختیار کرلیا اور مشرق پر مغرب زدگی کی اشاعت اور اسے زبردستی لادنے میں نمایاں رول ادا کیا ہے۔

ایک نمایاں نمونہ کے طور پر شام، اردن اور فلسطین کے عیسائیوں کا حوالہ دیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے اٹھارویں صدی کے اواخر سے خود کو مغربی حکومتوں کے زیر حمایت کرلیا تھا۔ جب کبھی ان کو مسلمانوں کے ہاتھوں سچ مچ یا جھوٹ موٹ کوئی تکلیف اور اذیت پہنچتی تھی تو وہ مغربی حکومت سے امداد کی درخواست کے ذریعہ علاقے کے داخلی امور میں ان کی مداخلت کا ایک بہانہ فراہم کردیتے تھے۔ ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء میں یہ نوبت آگئی کہ ان کی دعوت پر یوروپین اقوام نے لبنان پر فوج کشی کی اور فرانسیسی فوج ایک سال تک وہاں ٹکی رہی۔

تمام اسلامی ملکوں میں مذہبی اقلیتوں کے افراد یوروپ کے تہذیبی سامراج کے ہراول دستہ کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ عرب ملکوں میں پطرس بستانی، ناصف یزجی، ابراہیم یزجی، نوفل نوفل، سلیم نوفل، میخائل شحادہ، سمعان کلہون، جرجیس قیاض اور جیبر ضوع وغیرہ اور ایران میں ملکم خاں اور یفرم خاں جیسے افراد نے مغرب زندگی کی اشاعت میں اہم رول ادا کیا۔ بہت سے عیسائی خصوصاً لبنان کے عیسائی یوروپ اور امریکہ جاکر وہیں آباد ہوگئے اور وہاں کی تہذیب میں غرق ہوگئے۔

مذہبی اقلیتوں کے ذریعہ مغرب کی سامراجی طاقتوں کی حمایت کی دوسری وجہ یہ تھی کہ مغربی سرپرستی کی وجہ سے اس قوم کے لوگ اسلامی ملکوں میں اونچے اور ممتاز عہدوں پر فائز تھے۔ انہیں سامراجی طاقتوں کی سرپرستی حاصل تھی۔ فقط اتنا ہی نہیں بلکہ ان لوگوں کو ظاہری راحت و آرام کے ساتھ ہی ساتھ بہت سے دیگر حقوق اور امتیازات حاصل تھے۔

۷۔ فری میسن

فری میسن خفیہ انجمنوں کی ایک تنظیم ہے جس کا انگریز سامراج اور بعد کے دور میں امریکہ سے براہ راست رابطہ رہا ہے۔ اس کا دعویٰ تو اخوت و برادری کا ہے لیکن اس کا اصل مقصد مغربی تہذیب کو پھیلانا اور سامراج کی خدمت کرنا ہے۔

مغرب پرستی اور مغربی تہذیب کی ترویج و اشاعت میں فری میسن تنظیم ایک اہم عامل رہی ہے۔ اس تنظیم نے اس بات کی سخت کوشش کی کہ اسلامی ملکوں کو ان کی تہذیب سے محروم کردیا جائے اور تہذیبی، اقتصادی اور سیاسی لحاظ سے ان کو یوروپ سے وابستہ کردیا جائے۔ فری میسن تنظیم نے تمام ملکوں میں ''لژ'' نام کی تنظیمیں یا شاخیں کھولیں جو ان کے منحوس مقاصد کی تکمیل کے لئے ان کی کوششوں کو سازگار بناتی تھیں۔

فری میسن کا لفظی ترجمہ آزاد کاریگر ہے۔ قرون وسطیٰ میں مغربی ممالک میں صنعت کاروں اور کاریگروں نے اس نام سے ایک یونین کی تشکیل کی جہاں وہ شکایت کو یونین کے سامنے رکھتے تھے تاکہ وہ کسی دشواری سے دوچار نہ ہوں اس کے بعد جو تنظیم مخفی اور رمزی انداز میں کام کرنے لگتی تھی اسے فری میسن کا نام دیدیا جاتا تھا۔ سولہویں اور سترہویں صدی میں یہ خفیہ تنظیم بڑی بارونق ہوئی۔

سترہویں صدی میں بہت سے افراد فری میسن تنظیموں میں داخل ہوئے اور اسے سیاسی پہلو عطا کر دیا۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی کے دوران عیسائی مذہبی مبلغین کی طرح سامراج کے لئے راستہ ہموار کرنے والے کی حیثیت سے ساری دنیا میں اس تنظیم کا جال بچھا دیا گیا۔

اس تنظیم کے اصلی اور بنیادی اراکین امراء، شرفاء اور سرمایہ دار اور دولتمند تاجروں کے طبقے سے تعلق رکھتے تھے انیسویں صدی کے اواخر اور بیسوی صدی کے اوائل میں فری میسن تنظیم کی شاخیں سامراجی طاقتوں کے دوش بدوش اسلامی ملکوں خصوصاً ترکی، ایران نیز عرب دنیا میں پھیل گئیں ان کی یہ شاخیں مشرق میں مغربی تہذیب و ثقافت اور یوروپی ممالک کی سیاست کی ترویج کا ذریعہ ثابت ہوئیں۔

۸۔ یوروپی مستشرقین

درحقیقت یوروپی اقوام وہ پہلے لوگ نہیں تھے جنہوں نے دیگر تمدنوں کا مطالعہ کیا ہو بلکہ یوروپین تمدن کے منصۂ وجود میں آنے سے صدیوں سال پہلے اسلامی دانشوروں اور ادیبوں نے بیگانہ معاشروں کی تہذیب کا مطالعہ کیا۔لیکن اس میں شک نہیں کہ یوروپین علماء میں اجنبی معاشروں اور ان کی تہذیب کے مطالعہ کا دائرہ زیادہ وسیع کیا۔

قرون وسطیٰ کی یوروپین اقوام کے نزدیک اسلام ایک انتہائی خطرناک مذہب اور طاقتور رقیب تصور کیا جاتا تھا فکری، اعتقادی، سیاسی اور فوجی لحاظ سے اسلام ان کے وجود کے لئے خطرناک تھا۔ انہوں نے دو مقاصد کی تکمیل کے لئے اسلام کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔مسلمانوں کے حملات کے مقابلے میں عیسائیت کا دفاع کرنا اور اسلام پر حملہ کرنے کے لئے لازمی وسائل و امکانات کی فراہمی کے بارے میں مکمل معلومات و آگاہی حاصل کرنا تھا۔

دوسرا مقصد اسلامی تہذیب وثقافت کا مطالعہ تھا کیوں کہ اس زمانے میں اسلامی تہذیب ہی وہ واحد تہذیب تھی جس کی پوری دنیا پر چھاپ تھی۔جس طرح موجودہ دور میں دنیا کی مختلف قومیں یوروپین اور امریکی تہذیب وثقافت کا مطالعہ کرنے میں لگی ہوئی ہیں اس زمانے میں وہ اسلامی تہذیب وثقافت کی طرف مائل و متوجہ تھیں۔ یوروپ کے عیسائیوں کو اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ فلسفہ، طب، ریاضی، ٹکنالوجی اور تمام علوم وفنون میں مسلمان ان سے بدرجہا آگے ہیں۔نتیجہ کے طور پر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ علوم وہ مسلمانوں سے سیکھیں۔اس طرح یوروپین اقوام کی بیشتر تحریریں جو قرون وسطیٰ میں اسلام کے بارے میں لکھی گئیں، الزامات و بہتان اور لغویات پر مشتمل ہیں جو عیسائی اور یوروپی اقوام کو دین اسلام سے بدظن کرنے کے لئے رشتۂ تحریر میں لائی گئیں تھیں۔

نشاۃ ثانیہ اور مغربی تمدن کے ظہور کے بعد اسلامیات کے مطالعہ نے نیا رخ لیا۔نشاۃ ثانیہ کے بعد دینی محرکات کے ساتھ سیاسی اور اقتصادی محرکات کی بھی آمیزش ہوگئی۔عثمانی سلاطین کی کوششوں سے بلقان وغیرہ ممالک میں اسلام ترقی کی منزلیں طے کر رہا تھا جو نشاۃ ثانیہ کے بعد ایک طرح سے یوروپ کے نوخیز تمدن کے لئے ایک بڑھی دھمکی تھی۔قسطنطنیہ جو قرون وسطیٰ میں یوروپ کی عیسائی تہذیب کا مرکز تھا اس وقت مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔بہت سے مغربی دانشوروں کا خیال ہے کہ قسطنطنیہ پر مسلمانوں کے قبضے کی وجہ سے یوروپی دانشور اٹلی اور دوسرے ملکوں میں پھیل گئے اور یہی امر یورپ میں نشاۃ ثانیہ اور بیداری کا ایک اہم سبب ثابت ہوا۔اس طرح سے یوروپ کا نطفہ

اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت پر قائم ہوا ہے۔ صنعتی انقلاب کے بعد یوروپ کے نوخیز بورژوائی طبقے نے لوٹ کھسوٹ کرنے اور مارکیٹ تلاش کرنے کے لئے وسیع اسلامی دنیا پر نظریں جمادیں۔ ان تمام عوامل کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ دنیا بھر میں مسلمانوں کی مذہبی تاریخ اور تہذیب کے مطالعہ کا یوروپین اقوام میں زیادہ رواج ہو گیا۔

سولہویں صدی عیسوی کے بعد اسلام کے بارے میں دو قسم کی تحریریں یوروپ میں منظر عام پر آئیں:

الف: وہ تحریر جن کا تعلق الٰہیات اور فیلولوجی سے تھا اور عام طور سے اسلامی متون کے مطالعہ اور تحقیق پر مشتمل تھا۔ سب سے زیادہ دھیان انہوں نے عربی زبان اور فارسی متون پر دیا۔ اسلامی ملکوں کی دوسری زبانوں پر ان کی توجہ نسبتاً بہت کم رہی ہے۔

ب: وہ تحریریں جن کا تعلق عثمانی سلطنت اور دوسرے اسلامی ملکوں کے سیاسی، اقتصادی اور سماجی حالات سے تھا۔ اس نوع کی تحریروں میں وہ کتابیں شامل ہیں جو دنیاوی اسلام کے سماجی مطالعہ کے سلسلے میں یوروپ میں پہلی دفعہ لکھی گئیں۔ ان میں اہم کتابیں عثمانی سلطنت کے حالات سے وابستہ تھیں۔ درحقیقت انہیں یوروپی اقوام کی جاسوسی کارروائیوں کا ایک حصہ کہا جاسکتا ہے۔ یوروپ والوں کی خواہش تھی کہ دشمن کے بارے میں معلومات فراہم کریں۔

انیسویں صدی میں یوروپ کے اندر مشرقیات کے مطالعہ کا دائرہ بہت وسیع ہوا۔ اس دور میں یہودی علماء نے اسلام کے مطالعہ پر بڑی توجہ دی اس سے قبل یہودیوں کو اسلام کے مطالعہ کا خیال کیوں نہیں آیا۔ سچ تو یہ ہے کہ عالمی سطح پر اس سوال کو بار بار دہرایا گیا لیکن انہوں نے ان کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا۔

تحقیق کے پردے میں مستشرقین کے سامنے اپنے خفیہ مقاصد کی تکمیل تھی۔ پہلا مقصد مسلمانوں میں اسلامی تہذیب وتمدن کے بارے میں حقارت کا جذبہ پیدا کرنا تھا تاکہ ان لوگوں کو اپنی تہذیبی اور نظریاتی شخصیت سے محروم کرتے ہوئے انہیں یوروپین تہذیب کی طرف مائل ہونے کے لئے مجبور کردیا جائے۔

عیسائی مشینری:

عیسائی مشینری نے مغرب زدگی کے رجحان کو آگے بڑھانے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مسلمانوں کے مذہب کی تبدیلی میں مشینریوں کی کامیابی بہت ہی معمولی رہی ہے خود مشینریوں اور کلیساؤں نے اس شکست کا اعتراف بھی کیا ہے۔ مشینری اگرچہ نوجوان مسلمانوں کو عیسائی بنانے میں کامیاب نہیں ہوسکیں۔ لیکن پھر بھی بنیادی اور ان کے مذہبی اداروں کے مذہبی عقائد پر سخت حملے کرکے ان کے مذہبی عقائد کو کمزور کرنے میں ضرور کامیاب ہوئے ہیں۔ یہ نوجوان طبقہ عیسائی تو نہ بن سکا لیکن غیر مذہبی، مغرب زدہ اور اپنی شخصیت سے محروم ضرور ہو گیا اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ یہ روحانی پادری دراصل مادی اقدار کی اشاعت کرنے والے ضرور ثابت ہوئے۔

مندرجہ بالا تمام گروہوں نے مغربی تہذیب کو پھیلانے میں اہم رول ادا کیا ہے۔

*اول وقت نماز ادا کرو اپنے دین کے ستون کو مضبوط کرو۔
*موت کی یاد بے تکی خواہشات کو دل سے نکال دیتی ہے۔
(امام جعفر صادق علیہ السلام)